اردو ادب کی تاریخ از ڈاکٹر تبسم کاشمیری

Keywords : History # Urdu # Literature # Historian # Political # Civilization # Urdu # Research # Critic #

تسنیم کوثر

اسکالر پی ایچ ڈی اردو

منہاج یونیورسٹی، لاہور۔

ڈاکٹر فضیلت بانو

ایسوسی ایٹ پروفیسر منہاج یونیورسٹی لاہور

Abstract: Dr. Tabassum Kashmiri, a celebrated figure in Urdu literary circles, is renowned for his extensive contributions as a poet, prose writer, researcher, and critic. Among his notable works "History of Urdu Literature from the Beginning to 1857" stands out as an influential text that has stored significant acclamation for its comprehensive and engaging exploration of Urdu literary history. This book is not merely a record of literary developments but a profound examination of the literary, political, and social environment that shaped Urdu literature from its inception until the pivotal year of 1857.

Kashmiri's work is a remarkable example of literary historiography, a field that involves the study and interpretation of literary history. Crafting a narrative that is both accurate and accessible is not an easy success, and Kashmiri accomplishes this

with exceptional skill. His approach to literary historiography is characterized by a thorough devotion to fundamental principles, ensuring that his historical account is grounded in solid research and critical analysis. Through his scholarly work, Kashmiri provides readers with a clear and immersive view of Urdu literature's evolution, making the historical context feel immediate and vivid.

One of the standout features of Kashmiri's History of Urdu Literature is its ability to convey the interplay between literary works and the broader socio-political landscape of the subcontinent. Unlike many other histories of Urdu literature, Kashmiri's book excels in contextualizing literary developments within the political and social conditions of the time. This contextualization enriches the reader's understanding, allowing them to appreciate how external factors influenced literary production and reception.

Kashmiri's narrative is not just a straightforward recounting of events but a multidimensional exploration of the era's literary trends. His critical approach includes a keen analysis of how literary forms and sorts evolved in response to changing political climates and social conditions. This perspective helps readers grasp the dynamic interplay between literature and history, highlighting how Urdu literature both influenced and was influenced by the

broader socio-political environment.

Furthermore, Dr. Kashmiri's work introduces modern trends and innovative ideas into the study of Urdu literature. By integrating contemporary critical perspectives and theoretical frameworks, he offers fresh insights into traditional literary practices. This modern approach not only rejuvenates the study of Urdu literature but also bridges the gap between historical and contemporary literary analysis, making the book relevant to both scholars and general readers.

Kashmiri's distinctive style and visionary approach set his work apart from other literary histories. His ability to present complex historical and literary concepts in an engaging and accessible manner reflects his deep understanding of the subject and his commitment to literary scholarship. Through his book, Kashmiri invites readers to explore the rich tapestry of Urdu literature with a new appreciation for its historical and cultural significance.

In summary, the ❝History of Urdu Literature from the Beginning to 1857" by Dr. Tabassum Kashmiri is a landmark work in the field of literary historiography. It provides a detailed, contextualized, and multidimensional view of Urdu literature's development, enriched by Kashmiri's modern critical perspectives. This book not only serves as a valuable historical resource but also as a testament to

Kashmiri's innovative contributions to the study of Urdu literature.

تاریخ کے لغوی معنی وقت سے آگاہ کرنے کے ہیں۔ بنیادی طور پر تاریخ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا اصل ماخذ لاطینی زبان کا لفظ '' ہسٹوریا '' ہے جسے انگریزی لفظ ''ہسٹری '' سے مماثلت ہے اور اس کے لفظی معنی اطلاع اور تحقیق کے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تاریخ اس دور سے آگاہی کا نام ہے جس سے ہم گزرے تو نہیں ہوتے مگر باخبر ہو جاتے ہیں۔

علمِ تاریخ ایک قدیم علم ہے اس کا آغاز انسان کی اس دنیا میں آمد کے ساتھ ہو گیا تھا۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس کی کوئی تاریخ نہ ہو، دنیا کا کوئی قبیلہ کوئی انسان ایسا نہیں جس کا کوئی ماضی نہ رہا ہو۔ تاریخ کے بغیر دنیا کا ہر علم نا کافی ہے کہ تاریخ صرف سیاسی واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی۔ تاریخ میں سماجی، معاشرتی، ادبی سبھی طرح کے حالات رقم ہوتے ہیں۔ تاریخ کا علم اپنے اندر مقصدیت رکھتا ہے۔ اس سے ہم گزشتہ ادوار کی جھلک دیکھ سکتے ہیں اور ان ادوار کا موجودہ ادوار کے ساتھ تقابلی جائزہ بھی لے سکتے ہیں۔ ابن خلدون کو تاریخ کا امام کہا جاتا ہے۔ مغربی مورخین نے اپنی تاریخ دانی کی مشعل ابن خلدون کی تاریخی لوّ سے روشن کی ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک تاریخ ایک سمندر ہے جس میں اٹھنے والی موجیں حالات و واقعات کا پتہ دیتی ہیں اور انہی موجوں کی بدولت کسی مورخ کو سمندر کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ تاریخ ماضی کے اہم واقعات کو سادہ انداز میں پیش کرتی ہے۔ مورخ عہد ماضی کی ان خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے جن میں معاشرتی ماحول، جنگ و جدل، رسم و رواج، بول چال اور حکومتی رویوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ ان رویوں کے ردِعمل سے پیدا ہونے والے جذبات سے شاعر اور ادیب جنم لیتے ہیں جو باتیں مورخ بیان نہیں کر سکتا ، یہ شاعر اور ادیب اسے لفظوں میں ڈھال کر پیش کر دیتے ہیں جس سے ادبی تاریخ جنم لیتی ہے۔ ادبی تاریخ میں ادب اور تاریخ دونوں موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے اس میں تاریخ اور ادب دونوں اصولوں پر کاربند رہنا پڑتا ہے اور تحقیق کے جو دائرے تاریخ کے لیے متعین ہوتے ہیں ، انہی میں رہ کر ادبی تاریخ مرتب کی جاتی ہے۔ ادب کسی بھی قوم کی انفرادی کاوش ہوتی ہے جس سے کسی خطے اور اس میں بسنے والی قوموں سے آنے والی نسلوں کو آگاہی ملتی ہے۔ ادبی تاریخ کو کسی بھی قوم کے اس ادبی تناظر میں دیکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ تخلیق ہوتا

ہے۔ ہر زبان کا ادب اسی تناظر میں وجود میں آتا ہے۔ ادب ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں عہد ماضی کا بھرپور عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ تاریخ اور ادب کے اس باہمی ربط کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''اگر ادب زندگی کا آئینہ ہے تو ادب کی تاریخ کو بھی ایک ایسا ہی آئینہ ہونا چاہیے جس میں مکمل زندگی کی روح کا سایہ نظر آجائے۔(۱)''

ادبی تاریخ نہ تو شعرا اور ادبا کی سوانح عمری کا نام ہے اور نہ ہی ان کے فن پاروں کی تعریف و توصیف کے ذکر کو کہتے ہیں بلکہ ادبی تاریخ ادب، تخلیق کار اور اس کے اسلوب اور اس معاشرے کی عکاس ہوتی ہے جو گزشتہ ادوار کے تہذیبی شعور اور معاشرے کی جڑت کے تعلق کے بارے میں آگاہی دیتی ہے۔

اردو ادب کی تاریخ کچھ زیادہ قدیم نہیں ہے۔ اردو ادب کے ابتدائی نقوش ہمیں تذکروں ، بیاضوں سے ہی ملتے ہیں۔ اٹھارویں صدی کے یہ تذکرے ادب میں تاریخ کی مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں۔ انیسویں صدی میں یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے اور دو ادبی اور تحقیقی شاہکار سامنے آتے ہیں، جن میں فرانسیسی مستشرق '' گارساں دتاسی '' کی ''تاریخ اردو ہندوی و ہندوستانی'' سرفہرست ہے ۔ جسے گارساں دتاسی نے کئی برسوں کی مسلسل تحقیق کے بعد اپنی زبان میں ۱۸۳۹ء میں مرتب کیا۔ بعد میں جس کا ترجمہ انگریزی اور اردو میں کیا گیا۔ اس کے بعد مولانا محمد حسین آزاد کی شاہکار تصنیف '' آبِ حیات ''منظرِ عام پر آئی جسے انہوں نے ۱۸۸۰ء میں مرتب کیا۔ اردو ادب کی تاریخ میں آبِ حیات اولیت کا درجہ رکھتی ہے مگر اسے ایک مکمل تاریخ نہیں مانا جاتا کہ اس میں تذکروں ، ملفوظات، مکتوبات اور بیاضوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ادبی تاریخ نویسی کے لحاظ سے بیسویں صدی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس صدی کے اوائل میں ہی ادبی تاریخ نویسی کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے اور جوئیل واعظ لال ۱۹۲۰ء، رام بابو سکسینہ ۱۹۲۷ء اور گراہم بیلی ۱۹۶۹ء کی مرتب کردہ تاریخیں اشاعت پذیر ہوتی ہیں اور اردو ادب کی تاریخ میں گراں قدر اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف محققین اور تاریخ نویسوں نے اردو ادب کی تواریخ مرتب کی ہیں جن میں ڈاکٹر سلیم اختر کی '' اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، ۱۹۷۱ء مطبع سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ملک محمد حسن اختر کی ''تاریخ ادب اردو ۱۹۷۹ '' ء، محمد حسن کی ''قدیم اردو ادب کی تنقیدی تاریخ''، ۱۹۸۶ء مطبع اتر پردیش لکھنو، عبدالقادر سروری کی ''اردو کی ادبی تاریخ ۱۹۸۷ ''ء، گلشن پبلشرز سری نگر ، ڈاکٹر جمیل جالبی کی '' تاریخ ادب اردو''

جلد اول ۱۹۸۷ء، احتشام حسین کی '' اردو ادب کی تنقیدی تاریخ ۱۹۸۹'' ءمکتبہ خلیل لاہور، انور سدید کی ''اردو ادب کی مختصر تاریخ ۱۹۹۱ ''ءمقتدرہ قومی زبان، ڈاکٹر جمیل جالبی کی '' تاریخ ادب اردو ''جلد دوم ۱۹۹۴ء، مجلس ترقی ادب، گیان چند جین اور سیدہ جعفر'' تاریخ ادب اردو) '' پانچ جلدیں) ۱۹۹۸ء، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دلی ، محمد حسن کی ''اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ''۱۹۹۸ءقومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دلی اور دیگر شامل ہیں۔

اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری'' اردو ادب کی تاریخ :ابتداء سے ۱۸۵۷ء'' تک مرتب کی جسے بہت مقبولیت ملی۔اس سے پہلے ڈاکٹر جمیل جالبی کی '' تاریخ ادب اردو'' کی دو جلدیں داد و تحسین وصول کر چکی تھیں۔جس کی تعریف کرتے ہوئے معروف محقق و نقاد مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

''اگر میں یہ کہوں کہ جمیل جالبی کی '' تاریخ ادب اردو''اردو ادب کی پہلی تاریخ ہے تو یہ بات کچھ بے جا نہیں ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ادب کی جو تاریخیں اب تک لکھی گئی ہیں وہ بیکار ہیں ۔مجھے اس قسم کی کتابوں کے کارآمد ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ ادبی تاریخیں نہیں ہیں۔ادبی تاریخوں کے نام پر لکھی جانے والی یہ کتابیں پرانی تذکرہ نگاری کی حدود میں رہتے ہوئے لکھی گئی ہیں۔(۲)''

ڈاکٹر جمیل جالبی کی اس تاریخ کو مشفق خواجہ کی توصیفی سند نے جہاں ممتاز کیا وہاں نئے لکھنے والوں کے لیے بھی اندازِ تحقیق کی راہیں استوار کر دیں اور انہوں نے ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے تاریخی و تحقیقی کام مکمل کئے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری خود ادبی تاریخ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اپنی کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں

''پیش لفظ کے اختتامی حصے میں میں اردو ادب کی ایک تاریخ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور یہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو ہے جس کی پہلی جلد ۱۹۷۵ء میں اور دوسری جلد جو دو حصوں پر مشتمل تھی ۱۹۸۲ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کی ۔یہ دونوں حصے آغاز سے اٹھارھویں صدی کے خاتمہ تک ادب اردو کی تاریخ پر مشتمل ہیں ۔یہ پہلی تاریخ ہے جس میں اردو ادب کو مختلف ادوار کی جداگانہ اکائیوں کی شکل میں نہیں بلکہ ادب کی ایک مربوط تاریخی روایت کی صورت میں دیکھا گیا ہے ۔مصنف کے تبحر علمی، تحقیق و تنقید پر یکساں قدرت، محنت شاقہ اور ذہنی بصیرت نے اس تاریخ کو ایک بے مثال تاریخ کا مقام عطا کیا ہے۔یہ اردو ادب کی واحد تاریخ ہے جس میں تحقیق اور تنقید کا ایک متوازن امتزاج نظر آتا ہے اور اسی خوبی کے باعث اس تاریخ کو ایک منفرد مقام حاصل

ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کا یہ کام فردِ واحد کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے میں اس علمی کام کو ایک ادبی معجزہ سمجھتا ہوں۔(۳)''

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اردو ادب کی تاریخ اس حوالے سے بھی بہت اہم ہے کہ اس میں ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک کے زمانے کو عہد بہ عہد دکھایا گیا ہے اور تحقیق کے ساتھ تنقیدی پہلو بھی بیان کئے گئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اس تاریخ کو مقبولیت کی سند ملی اور اس کے اب تک متعدد ایڈیشن اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت ہیں۔ان کا بنیادی ادبی حوالہ شاعری ضرور ہے مگر وہ تحقیق وتنقید وتدوین میں بھی ادبی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔نثری ادب سے بھی شغف رکھتے ہیں اور اردو ادب کی تاریخ مرتب کر کے وہ ادبی مورخ کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔بہ حیثیت مورخ انہوں نے جو ادبی تاریخ مرتب کی ہے وہ'' اردو ادب کی تاریخ (ابتداء سے ۱۸۵۷ء'' (کے نام سے ۲۰۰۳ء میں مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے اشاعت پذیر ہوئی۔اس کتاب کو جدید طرز تاریخ کا مرصع نمونہ کہا جاتا ہے۔اس تاریخ کو کلاسیکی ادب کی تاریخ کے حوالے سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ادب کی تاریخ کو ابتداء سے لے کر جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء تک کے وسیع تناظر میں دیکھا اور بیان کیا ہے۔قدیم ادب کے حوالے سے تحقیق کے مراحل طے کئے ہیں اور تنقیدی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ادبی تاریخ مرتب کی ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی ادبی تاریخ کو ثقیل بنانے کی بجائے اس میں دلچسپی کے عناصر پیدا کئے ہیں اور اپنے دلکش اسلوب سے اسے سنوارا ہے۔انہوں نے اپنی تاریخ کو ماورائی رنگ نہیں دیا اور نہ ہی اسے بوجھل ہونے دیا ہے۔انہوں نے اپنی قوتِ متخیلہ سے اپنی تحریر میں رنگ بھرے ہیں مگر وہ رنگ کچے نہیں ہیں۔انہوں نے حقائق کو مسخ نہیں کیا بلکہ تخلیقی انداز میں ان حقائق کو پُرکشش بنایا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تحقیق وتنقید کے امتزاج سے اپنی اس ادبی تاریخ کو مرتب کیا ہے اور اپنے وسیع المطالعہ ہونے کے سبب بہت سنجیدگی اور علمیت سے بھرپور معلومات درج کی ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اس ادبی تاریخ میں ان کے شاعرانہ مزاج کی جھلک بھی ملتی ہے اور ان کی مترنم نثر بھی سامنے آتی ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ادبی تاریخ مرتب کرتے ہوئے کہیں بھی جانبداری اور تصنع بناوٹ سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ایک متوازن راہ منتخب کر کے اپنا سفر طے کیا ہے جس نے ان کی ادبی تاریخ کے مقام ومرتبہ کو بلند کیا ہے اور ایک وسیع المطالعہ مورخ کی ادبی تاریخ کو منفرد بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ہر شاعر ،ادیب کے تعارف کو پیش کرنے سے پہلے اس کے دور کے سیاسی، سماجی اور ادبی حالات کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس پس منظر کی روشنی میں اس شاعر ادیب کے دور کے ادب کا مطالعہ پیش کیا ہے۔اس کے رجحانات اور حالات کے بارے میں بتایا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی تاریخ مرتب کرتے ہوئے تقریبا ہر باب کے حوالے سے اس دور کی معروف شخصیات کے عکس بھی شامل کئے ہیں اور علاقوں کے نقشے بھی دیئے ہیں جس نے کتاب کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے اور طالب علموں اور آنے والے محققوں کے لیے سہولت کر دی ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تاریخ مرتب کرتے ہوئے ہجری اور عیسوی دونوں سنین درج کئے ہیں۔شعرا کے کلام کے نمونے شامل کئے ہیں اور داستانوں کے بارے میں بھی مستند مآخذ کا سہارا لے کر تفصیل سے معلومات درج کی ہیں۔باغ و بہار کے بارے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

''باغ و بہار کے کردار ہر عمر میں رومانس کے لیے تیار ملتے ہیں۔شہر نیم روز کے شہزادے کو نجومیوں کے اشارے پر چودہ برس کی عمر تک آسمان کے نیچے رہنے سے روک دیا جاتا ہے۔شہزادہ ایک روز اپنے گھر کے گنبد میں ایک پھول دیکھتا ہے۔یہ پھول خارجی دنیا سے اس کے ارتباط کا پہلا اساطیری استعارہ تھا جس سے اس کی نئی زندگی کا آغاز ہونا تھا۔اس کے سامنے وہ پھول بلند ہوتا جاتا تھا۔اس فعل میں یہ رمزیت تھی کہ اس کے اندر جذبے اور جبلتوں کی چھپی ہوئی دنیا کا ظہور ہونے والا ہے جہاں وہ حسیاتی زندگی کے نئے ذائقوں کی سرحدیں پار کرنے کو تھا۔(۴)''

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے دبستان لکھنو اور لکھنوی تہذیب میں جنسی مظاہر کے بیان کو اس عہد کے مضبوط معاشی نظام سے منسوب کیا ہے۔انہوں نے محمد قلی قطب شاہ کی داستانی محبوبہ بھاگ متی یا حیدر محل اور بارہ پیاریوں کے عیش وطرب کا احوال بیان کیا ہے اور لکھنو کی شاعری کو بھی اسی تناظر میں دیکھا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

''ہر بڑے شاعر کے پیچھے کوئی نہ کوئی ایسی پُراسرار طاقت ضرور ہوتی ہے جو اس کے تخلیقی سرچشموں کا منبع و ماخذ ہوتی ہے۔بعض اوقات ماضی سے محبت شعری طاقت کا سرچشمہ بن جاتی ہے اور کبھی ماضی سے نفرت شاعری کی قوت محرکہ قرار پاتی ہے۔کبھی کبھی ناسٹیلجیا ((Nostalgia ایک بڑی شاعری کا محرک بن جاتا ہے مگر قلی قطب کا باطنی مرکز جنس ہے۔(۵)''

دبستانِ لکھنو کے نشیب و فراز بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

''سعادت علی خان اودھ کا آخری حکم دان تھا کہ جس نے ریاست کا بہت کچھ ہارنے کے باوجود اپنے وقار کو بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔اس کے بعد اودھ میں کمپنی کو مکمل اختیار حاصل ہوا۔غازی الدین حیدر کے زمانہ ۱۸۱۴ء تا ۱۸۲۷ء سے اودھ کے اندر داخلی مداخلت کا خیال اور ریاستی وقار کا تصور رخصت ہوجاتا ہے۔کمپنی کی حیثیت ایک پتلی گر(puppet master) کی سی ہو جاتی ہے ۔لکھنو کی ریذیڈنسی ((Residensy کے اندر بیٹھا ہوا ریذیڈنٹ اودھ کے نام نہاد بادشاہوں کو پتلیوں کی طرح نچاتا رہتا تھا۔(۶)''

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اردو کی ادبی تاریخ میں کئی صدیاں سمٹ آئی ہیں ۔ہر دور کے شاعر،ادیب اور اس دور کے حالات کو ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ممکنہ حد تک وضاحت سے لکھا ہے اور اس کے مقام و مرتبہ کی بات کی ہے جس جگہ انہیں کسی شاعر،ادیب کے نظر انداز کئے جانے کا گمان گزرا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے دیگر محققین کی لکھی ہوئی تواریخ کھنگالی ہیں اور ان کی آراء بھی اپنی کتاب میں شامل کی ہیں اور خود اپنی رائے بھی پیش کی ہے۔

کلب علی خاں فائق کے خیال میں:

''اردو اشعار گویت اعلیٰ درجے کے نہ سہی مگر بلند مضامین ،صاف اور بامحاورہ زبان اور پاکیزہ خیالات رکھتے ہیں۔دوسرے درجے کے شعراء میں درجہ ممتاز ہے۔(۷)''

رابا بوسکسینہ کے بہ قول:

''وہ ایک اچھے شاعر ہونے کے باوجود کبھی مقبول نہ ہو سکے۔(۸)''

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی تاریخ میں شیفتہ کے بارے میں اردو ادب کے نقادوں کی رائے کے ساتھ ساتھ اپنی رائے بھی پیش کی ہے اور شیفتہ کی شاعری کی توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیفتہ کی شاعری میں کلاسیکی روایت کی ایک گونج مسلسل سنائی دیتی ہے۔اس روایت کے زیر اثر ان کے رنگِ سخن پر غالب کے اثرات بھی ہیں اور میر کے بھی اور خاص طور پر ان کے استاد مومن کے اثرات برابر نظر آتے ہیں۔(۹)''

شیفتہ کی کلاسیکی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی یہ رائے ہے:

''شیفتہ کلاسیکی غزل کی دیومالا کا شاعر ہے۔اس کی شاعری میں جہاں وحشت اور دیوانگی کے تلازمات ابھرتے ہیں ،وہاں محبوب ، وصل محبوب،بزمِ محبوب،کوچہ محبوب،رقیبِ خون،قتل،شمشیر آب دار،خنجر،زلفِ مشکیں،ناز و ادا اور حسرت و فراق کی تمثالیں تیزی

سے ابھرتی ہیں۔شیفتہ کا شعری دائرہ حسن وعشق کے متعلقات تک محدود ہے۔(۱۰)''

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اردو کی ادبی تاریخ کو مرتب کرنے کا منصوبہ ۱۹۹۶ء میں بنایا اور لگا تار کئی برس کی محنت وتحقیق کے بعد مرتب کیا جسے سنگِ میل نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اس کا انتساب اپنے مرحوم اساتذہ پروفیسر حمید احمد خاں اور پروفیسر سجاد باقر رضوی کے نام کیا ہے۔اس کا پیش لفظ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے لکھا ہے۔کتاب کے ۱۹ ابواب ہیں۔آخر میں کتابیات اور اشاریہ دیئے گئے ہیں۔

باب نمبر ۱ میں زبان کا بتدائیہ دیا گیا ہے اور ۱۰۰۰ء کے آس پاس کی لسانی صورتحال سے لے کر زبان کے سفر کے بارے بتایا ہے۔زبان کے سفر کے پہلے مرحلے دلی اور نواح کی زبانوں کے ملاپ کے دور سے لے کر خلجی اور تغلق عہد میں سیاسی انتشار،فوجی مہمات ۱۳۸۷ء میں دولت آباد میں نئے مرکز سلطنت کے قیام اور بہمنی ریاست کے قیام اور نئی زبان کی تشکیل تک کا تفصیلی حال بیان کیا ہے۔

باب نمبر ۲ میں شمالی ہند میں ابتدائی زبان وادب کا جائزہ لیا گیا ہے اور مسعود سعد سلمان لاہوری، بابا فرید، امیر خسرو، کبیر اور دیگر کے دور کا تحقیق وتنقید کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔

باب نمبر ۳ میں گجری ادب ۱۴۰۷ تا ۱۵۸۲ء کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے اور بہاؤالدین باجن، محمود دریائی، علی جیو گام، دھنی اور خوب محمد چشتی کے حالات و واقعات بیان کیے ہیں۔

باب نمبر ۴ بہمنی دور پہ مشتمل ہے۔اس میں ۱۳۴۷ء سے ۱۵۲۶ء کے دور کو قلم بند کیا ہے اور گجری سے دکنی ہونے کے اسباب کے آغاز وارتقا اور زوال کے اسباب بیان کیے ہیں۔بہمنی ادب میں نظامی ،خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، مشتاق، لطفی، میراں جی شمس العشاق، فیروز، اشرف بیابانی کے بارے میں وضاحت سے بتایا گیا ہے۔دکن کی تہذیبی، ادبی اور لسانی روایات کے نئے دور پر روشنی ڈالی ہے۔

باب نمبر ۵ بیجاپور عادل شاہی دور کا ادب ۱۴۸۹ء تا ۱۶۸۶ء پر مشتمل ہے۔اس دور کے شاعروں برہان الدین جانم، امین الدین اعلیٰ، عبدل، شوقی، شاہی، نصرتی اور مقیمی کے حالات بیان کئے ہیں۔

باب نمبر ۶ میں گولکنڈہ قطب شاہی دور کا ادب ۱۵۱۸ء تا ۱۶۸۷ء کے بارے میں بتایا گیا ہے جس میں محمود، خیالی، محمد قلی قطب شاہ، وجہی، غواصی ، احمد گجراتی، ابن نشاطی، میراں جی حسن میراں یعقوب ، فائز ،طبعی اور تاناشاہ کے دور کی تاریخ بیان کی ہے۔اس دور میں دکنی روایات کے خاتمے اور دکن میں مغلوں کی فوجی مہمات کے دور اور زبان وادب

پر فارسی زبان کے اثرات کے ساتھ ساتھ بیجاپور اور گولکنڈہ کے سقوط کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔

باب نمبر ۷ میں ولی کے بارے میں بتایا گیا ہے اور اسے مرکزِ روایت وثمر کہا ہے۔ ولی دکنی کو غزل کا نقطہ عروج اور سراج اورنگ آبادی کو دکنی روایت کا نقطہ تکمیل کہا ہے۔

باب نمبر ۸ میں اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ بیان کی ہے اور جعفر زٹلی کو اٹھارہویں صدی کے طنز و مزاح اور لایعنیت کا شاعر قرار دیا ہے۔

باب نمبر ۹ میں شمالی ہند میں نئی لسانی روایت کے دور کے بارے میں بتایا گیا ہے اور اس میں ولی دکنی کی کرامت سخن، ریختہ گو شعرا اور ایہام گو شعرا کے دور پہ روشنی ڈالی ہے۔ ایہام گوئی کے خلاف ردِعمل کی تحریک کے ساتھ ساتھ نئی شعریات کے ظہور کو بھی اس باب میں شامل کیا ہے۔ اس میں آبرو، حاتم اور ناجی کے بارے میں تفصیل دی گئی ہے اور ایہام گوئی کے خلاف ردِعمل کے ساتھ مرزا مظہر نقاش اول اور دیگر شعرا کے علاوہ خان آرزو اور علی حزیں کے تنازعے کو بھی شامل کیا ہے۔ اردو زبان کی اہمیت نئی ادبی روایت کی تشکیل میں بزرگ شعرا کا کردار اور خان آرزو بہ طور واضح اول کے ساتھ دلی میں باقاعدہ شعری روایت کی ابتدا کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔

باب نمبر ۱۰ میں ادبی روایت کے استحکام کا ذکر کیا ہے اور عہد ساز شعرا سودا، میر، درد، قائم، سوز اور میر اثر کے دور کو مفصل بیان کیا ہے۔

باب نمبر ۱۱ دبستان لکھنو کی سیاسی، تہذیبی اور ادبی تشکیل پر مشتمل ہے۔ اس باب میں مفصل انداز میں دبستانِ لکھنو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب نمبر ۱۲ میں ادبی روایت کی توسیع کے بارے میں تحقیق کی ہے اور لکھنو کی ادبی تشکیل کے بعد اس کے ادبی مرکز بننے کی تفصیل بیان کی ہے اور میر حسن، مصحفی، انشا، جرأت اور رنگین کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

باب نمبر ۱۳ میں انیسویں صدی میں اردو زبان کے دو اداروں فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۶ء اور دلی کالج ۱۸۲۸ء کی تشکیل اور اہمیت کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا ہے۔

باب نمبر ۱۴ داستانی ادب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس میں داستانی ادب کے ظہور پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ باغ و بہار ۱۸۰۲ء اور فسانہ عجائب ۱۸۲۵ء پہ روشنی ڈالی ہے۔

باب نمبر ۱۵ نظیر اکبر آبادی کے بارے میں ہے جس میں اسے مقامی رنگ اور عوامی روایت کا شاعر قرار دیتے ہوئے تفصیل بیان کی ہے۔

باب نمبر ۱۶ میں لکھنو کے شعرا آتش، ناسخ، نسیم اور واجد علی شاہ کے بارے میں بتایا گیا

ہے اور انہیں لکھنو کی نئی شمعیں قرار دیا ہے۔ واجد علی کے رہس اور امانت کی اندر سبھا کی تفصیل بیان کی ہے۔

باب نمبر ۱۷ دلی میں کمپنی بہادر کی عملی داری کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ساتھ ہی کمپنی کی سیاسی حکمتِ عملی کے سبب مغلوں کے اقتدار کے خاتمے کے اسباب بھی بتائے ہیں ۔کاشمیری نے تحقیق کی روشنی میں مغلوں کے زوال کے حالات وواقعات بیان کئے ہیں۔

باب نمبر ۱۸ دلی کی بزم آخر'' کے عنوان سے ہے ۔اس میں شاہ نصیر، ذوق، غالب، مومن، ظفر اور شیفتہ کے دور کی جھلک پیش کی گئی ہے۔

باب نمبر ۱۹ اردو مرثیے کے دور کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس میں لکھنو کی مذہبی ثقافت کو تفصیل سے بتایا گیا ہے اور میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیوں کی روایت بیان کی گئی ہے۔

آخر میں کتابیات اور اشاریہ دیے گئے ہیں۔ ۸۴۶ صفحات پہ مشتمل'' اردو ادب کی تاریخ ''میں کاشمیری نے ایک وسیع المطالعہ مورخ کا مقام ومرتبہ حاصل کرلیا ہے۔

ادبی تاریخ نویسی دراصل عہد بہ عہد روایت، رجحانات ونظریات ،اس دور کے اہم وقعات ،ادبا اور شعرا کے حالات اور ان کے ادبی فن پاروں کے تحقیقی وتنقیدی جائزے کا نام ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

ایک اچھی تاریخ ادب وہ شخص نہیں لکھ سکتا جو صرف محقق ہو اور نہ ہی تاریخ ادب کی تصنیف کسی ایسے شخص کا کام ہے جو صرف نقاد ہو۔ اچھی تاریخ ادب صرف وہی ادیب لکھ سکتا ہے جو بیک وقت محقق اور نقاد ہو۔(۱۱) ''

ادبی تاریخ نویسی ایک مشکل فن ہے جس کے لیے تاریخی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مورخ کی تاریخی بصیرت کے بغیر یہ فن نامکمل رہتا ہے۔ صدیوں پہ پھیلی ہوئی تاریخ کے مستند مآخذ اور حوالوں تک رسائی ایک مشکل کام ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے'' اردو ادب کی تاریخ '' کو مرتب کرتے ہوئے تحقیق وتنقید دونوں کو ہی مدنظر رکھا ہے اور ہر دور کے سیاسی وسماجی حالات کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے کو انہوں نے اختصار سے بیان کیا ہے گویا دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ہر عہد کے شعرا کا تعارف، ان کے حالاتِ زندگی اور ادبی تصانیف کا تعارف بھی بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان ادبی فن پاروں کا ادبی اور لسانی تجزیہ بھی پیش کیا ہے ۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اردو ادب کی تاریخ سے قبل لکھی جانے والی تواریخ میں مرتب اکثر شاعری اور نثر کو الگ الگ قلمبند کرتے تھے جس کو سیاسی اور سماجی پس منظر کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا ۔ان تواریخ میں شاعری کا تفصیلی جائزہ تو لیا جاتا تھا مگر نثر کو سرسری طور پر بیان کردیا جاتا

تھا لیکن کاشمیری نے اس روایت پر عمل نہیں کیا بلکہ ٹائرس ہل وے Tyrus) (Hillway کے تحقیقی تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مکمل تحقیقی ضابطے اپنائے اور تحقیق کے بعد حقائق کی جستجو اور تنقیدی تشریح و توضیح کا امتزاجی نمونہ پیش کیا۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی اردو ادب کی تاریخ اسی دبستان کے نقطہ نظر کے مطابق مرتب کی اور ایک وسیع تناظر میں ادبی تاریخ کو دیکھنے کا تصور پیش کیا۔ بیسیویں صدی میں تاریخی تصورات میں انقلابی تبدیلیوں کا آغاز اسی دبستان کے تحت ہوا تھا جس میں تاریخ کو کلاسیکی تصور سے نکال کے وسیع تر علمی معنویت سے جوڑ دیا گیا ۔ فرانس کے اینالس (Annales School) کے ماننے والوں کے مطابق کسی خاص عہد کی سماجی و ادبی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے دیگر علوم وفنون کو بھی سامنے رکھنا چاہیے اور ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے اس نقطہ نظر کی تعریف کرتے ہوئے سید اظہر علی لکھتے ہیں :

''ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی ادبی تاریخ کا تعلق اس مکتبہ فکر سے ہے جو ادبی تاریخ کو ایک وسیع تناظر میں دیکھنے کا قائل ہے ۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نہ صرف ادبی تاریخ کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں بلکہ وہ ادبی تاریخ کی تعمیر کے لیے جدید علوم جیسے اقتصادیات، فلسفہ اور نفسیات سے بھی استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔(۱۲)''

اردو ادب کی تواریخ مختلف لوگوں نے لکھیں مگر سب کا اپنا اپنا انداز رہا ہے ۔ ہر مورخ تاریخ کو اپنے تئیں مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تحقیق وتلاش کے سمندر میں ڈبکیاں لگاتا ہے اور تحقیقی ہیرے تلاش کر لیتا ہے ۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے بھی اپنے تئیں ادبی تاریخ لکھنے کی کوشش کی ہے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں ۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے بہت سے مستند مآخذ کو سامنے رکھ کر مختلف تواریخ کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد قلم اٹھایا ہے ۔ انہوں نے اپنی تاریخ میں شاعروں، ادیبوں کے بارے میں نہ صرف بنیادی معلومات فراہم کی ہیں بلکہ ہر عہد کے نمائندہ شاعروں اور ادیبوں کا تنقیدی محاکمہ بھی کیا ہے اور تنقیدی محاکمہ کرتے ہوئے قدیم و جدید تنقیدی معیارات کو بہت توازن کے ساتھ برتا ہے ۔ ایسا کرنے میں انہیں خاصی مشکلات بھی پیش آئیں مگر ان کی لگن انہیں ہر مشکل سے نکال لائی ۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری ''اردو ادب کی تاریخ '' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''ادبی تاریخ ماضی کی بازیافت ہے ۔ اس کا ایک اہم مقصد گئے گزرے زمانوں کو زندہ کرنا ہے ۔ ادبی مورخ ماضی کے اندھیرے منظروں میں سفر کرتا ہے، خوابیدہ داستانوں کو

بیدار کرتا ہے، گرد میں دبی ہوئی دستاویزات کو جھاڑتا ہے اور ان دستاویزات کے اوراق پر ماضی کے نام ور کرداروں سے متعارف ہوتا ہے۔(۱۳)''

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اردو ادب کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے یہ سارے مراحل طے کئے ہیں۔ممکنہ حد تک ہر موضوع سے انصاف کیا ہے۔گزشتہ ادوار کے اندھیروں میں جھانک کر حقیقت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ایک ادبی مورخ کے اصولوں پر کاربند ہو کو اپنی تاریخ مرتب کی ہے اور تاریخ جیسے خشک موضوع کو دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔انہوں نے ہر دور کے پورے محرکات کو سامنے رکھا ہے اور متوازن تاریخ رقم کی ہے۔ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک کے ادوار میں انہیں مشکل الفاظ کا سامنا کرنا پڑا ہے۔دکنی دور کو مرتب کرتے ہوئے ڈاکٹر تبسم کاشمیری کو کہیں کہیں دشواری محسوس ہوئی لیکن وہ دکنی الفاظ اور تراکیب کی ان دشواریوں سے بہ احسن کامیاب گزرے ہیں۔اس دور کی روایت کو ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ شاعروں، ادیبوں کی تخلیقات کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق شامل کیا ہے۔ان تخلیقات میں سے شعری حوالے بھی دیئے ہیں مثلاً مثنوی نظامی دکنی کے بارے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

آج'' مثنوی نظامی دکنی''اپنے عہد کی تنہا یادگار کے طور پر اردو دنیا میں موجود ہے۔یہ یادگار اس بات کی شاہد ہے کہ نظامی کے عہد میں اور اس سے پہلے بھی قدیم اردو میں ابتدائی لسانی تجربات ضرور ہوئے ہوں گے۔(۱۴)''

مثنوی نظامی کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر تبسم کاشمیری اس مثنوی کے اشعار بھی درج کرتے ہیں اور نظامی کا سنسکرتی اسلوب واضح کر دیتے ہیں۔

کون پرس جو ناگرے پاؤ تھیں
کون رکھ جو ناڈے باؤ تھیں
رتن پرکھیا جائے مانس نہ جائے
کہ جب لگ پڑے ایک سرکار دھائے((۱۵

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اسی طرح ہر دور کے شاعر کے اشعار کے نمونے اپنی ادبی تاریخ میں درج کئے ہیں اور ہر عہد کو جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔کاشمیری کی تاریخ میں تنقیدی محاکے بھی ملتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے صرف اردو ادب پہ ہی توجہ مرکوز نہیں رکھی بلکہ دیگر علوم و فنون کو بھی گہری دلچسپی کے ساتھ

موضوع بحث بنایا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی تاریخ میں شاعری اور نثر دونوں کو ہی بھر پور توجہ اور دلچسپی کے ساتھ موازنہ کرنے کے بعد شامل کیا ہے۔انہوں نے ان دونوں کی صفات کو تخلیقی اظہار سے منسوب کیا ہے۔کتاب کے تمام ابواب میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے شاعری اور نثر دونوں کا جائزہ پیش کیا ہے۔انہوں نے ابتدائی زبان وادب کے جائزے کے ساتھ شعرا کا مختصر تعارف بھی پیش کیا ہے اور ان کے نمونہ کلام کو بھی اس میں درج کیا ہے۔اگر غواصی کی " سیف الملوک، بدیع الجمال " پر بات کی ہے تو افضل کے بارہ ماسہ کو جس کا نام " بکٹ کہانی " ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری اس کے بارے میں بھی تفصیل سے بتایا ہے اور نمونے کے طور پر اشعار بھی درج کئے ہیں۔

سلونی، سانولی اور سبز گوری
سبھی کھیلیں پیا اپنے سے ہوری
بھرے رنگوں کے مٹکے ساتھ سب کے
اچھی پچکاریاں ہیں ہاتھ سب کے
کہوں ڈھولک کہوں مرزنگ باجے
کہوں سرمنڈلا اور طبنور گاجے ((۱۶

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے داستان سب رس، مثنوی قطب مشتری کا تجزیہ کیا ہے اور نظم اور نثر میں کوئی فرق رکھے بغیر انہیں زمانی ترتیب سے شائع کیا ہے۔ہر باب میں شامل شعرا و ادباء کی خصوصیات اور ان کے فن پاروں کے نمونے بھی پیش نظر رکھے ہیں۔یعنی کبیر، امیر خسرو سے لے کر مرزا اسد اللہ خاں غالب تک کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ان کی شاعری کے نمونے کتاب کا حصہ بنائے ہیں۔انہوں نے اس ادبی تاریخ کو مکمل اور دلچسپ کرنے کے لیے ممکنہ ماخذات و مصادر کے حصول کی کوششیں کیں پھر ان کا گہرا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کے بعد ان کو دلچسپ پیرائے میں تحریر کیا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ قاری کو الجھانے کی بجائے گزشتہ زمانوں کی راہداریوں میں لئے پھرتی ہے۔اپنے اسلوبِ نگارش سے وہ قاری کی توجہ کو بھٹکنے نہیں دیتی اور زبان و بیاں کی روانی تحریر میں دلچسپی بڑھاتی ہے۔وہ گزشتہ ادوار کے جھروکوں میں جھانکتے ہیں اور تحقیق کے طالب علموں کے لیے نادر معلومات کا ذخیرہ جمع کر لیتے ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری گولکنڈہ کے ادب کے بارے میں پوری تفصیل سے بتاتے ہیں اور ساتھ ہی بہمنی دور کے شعرا کا نمونہ بھی دکھا دیتے ہیں وہ " پرت نامہ " کے مصنف

فیروز بیدی کی غزل کے چند اشعار بتا دیتے ہیں۔

گوریاں سہلیاں میں سب جگ کیاں ساریاں
جب سانولی سکھی سوں مائل ہوا دکھن میں
دو نین ہر قدم تل میں فرش کر بچھاون
پوں ہنس چلے لٹک تے سودھن ہنڈے آنگن میں ((۱۷

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اردو ادب کی تاریخ اپنے اسلوب نگارش کی وجہ سے پسندیدگی اور توجہ حاصل کئے ہوئے ہے۔ان کی تحریر میں روکھا پن نہیں بلکہ لفظوں کی چاشنی ہے کیونکہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری مورخ ہونے کے ساتھ ساتھ کہانی بننے کے فن میں بھی طاق ہیں۔اپنی مرتب کردہ ادبی تاریخ کے بارے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کہتے ہیں:

''ادبی مورخ کا کام صرف واقعات اور حقائق تک محدود نہیں ہے۔وہ واقعات اور حقائق سے آگے بڑھ کر ایک اور اہم فریضہ انجام دیتا ہے۔واقعات وحقائق اور تاریخ کے مطالعہ سے وہ ادبی تاریخ کے کسی دور، رجحان، نظریے یا کسی شخصیت کے بارے میں ایک وژن vision)) مہیا کرتا ہے۔ادب کی تاریخ کو جو قوت ادبی تاریخ بناتی ہے وہ ادبی مورخ کا وژن ہے۔تاریخ کے خاموش گم نام اور تاریک گوشوں کو اس کی ذہنی بصیرت روشن کر دیتی ہے۔بکھرے ہوئے مواد اور غیر مرتب تصورات کو ایک مربوط معنی دے کر وہ کسی عہد کو بامعنی بنا دیتا ہے۔(۱۸)''

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی کہی گئی بات کو سچ کر دکھایا ہے اور اپنے وژن سے تاریخ کے تاریک گوشوں کو منور کیا ہے اور ان کا ممکنہ حد تک تجزیہ کر کے نتائج اخذ کئے ہیں۔سنین کا حتی المقدور خیال رکھا ہے۔بے جا طوالت سے گریز کیا ہے اور ایسا کر کے انہوں نے اپنی بصیرت اور بلاغت کا ثبوت دیا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی محنت اور لگن سے ایک جامع تاریخ مرتب کی ہے۔نہایت متوازن انداز میں ہر دور کا تذکرہ کیا ہے اور نہایت باریک بینی سے تنقیدی نکات اٹھائے ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ایک غیر جانبدارانہ تاریخ مرتب کی ہے اور جلی حروف سے ادبی تاریخ نویسوں میں اپنا نام کندہ کرلیا ہے

حوالہ جات

(۱۱ جالبی، جمیل ،ڈاکٹر،(۱۹۸۷ء(،تاریخ اردو ادب ،جلد دوم ،لاہور: مجلس ترقی ادب ،ص ا

(۲ خواجہ،مشفق،(۲۰۱۰ء(،اردو ادب کی پہلی تاریخ ،مشمولہ،ادبی تاریخ نویسی،مرتبین،ڈاکٹرسید عامر سہیل،نسیم عباس احمر،لاہور:پاکستان رائٹرز کو آپریٹو سوسائٹی،ص ۴۵۳

(۳ کاشمیری،تبسم،ڈاکٹر،(۲۰۰۳ء(،اردو ادب کی تاریخ،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،ص ۱۴

(۴ ایضا۔ص ۵۲۵

(۵ ایضا۔ص ۱۶۳

(۶ ایضا۔ص ۳۷۷

(۷ فائق،خاں،علی،کلب،(۱۹۷۳ء(،گلشن بے خار،لاہور:مجلس ترقی ادب ،ص ۴۱۷

(۸ سکسینہ،بابو،رام (۱۹۸۵ء(،تاریخ ادب اردو،مرتبہ،تبسم کاشمیری،لاہور:علمی کتب خانہ،ص ۲۲۸

(۹ کاشمیری،تبسم،ڈاکٹر،(۲۰۰۳ء(،اردو ادب کی تاریخ،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،ص ۸۵

(۱۰ ایضا۔ص ۸۸

(۱۱ کاشمیری،تبسم،ڈاکٹر،(۲۰۰۸ء(،ادبی تاریخ کی تشکیلِ نو کے مسائل،مشمولہ تخلیقی ادب،اسلام آباد:نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،ص ۱۹

(۱۲ علی،اظہر،سید،(۲۰۱۲ء(،ڈاکٹرتبسم کاشمیری کی" اردوادب کی تاریخ " کا تکنیکی مطالعہ،مشمولہ،معیار،شمارہ ۷، اسلام آباد،بین الاقوامی یونیورسٹی،ص ۳۹۳

(۱۳ کاشمیری،تبسم،ڈاکٹر،(۲۰۰۳ء(،اردو ادب کی تاریخ،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،ص ۱۱

(۱۴ ایضا۔ص ۸۲

(۱۵ ایضا۔ص ۸۴

(۱۶ ایضا۔ص ۵۰

(۱۷ ایضا۔ص ۱۴۹

(۱۸ ایضا۔ص ۱۴

☆☆☆